

حافظ صلاح الدین یوسف

تحقیق و تنقید

”طلوع اسلام“ کا اشتراکی نظریہ

زکوٰۃ کا انکار؟

حدیث سے انحراف اور قرآن میں تحریف!

مسٹر غلام احمد صاحب پرویز کے نظریات کا پرچارک ماہنامہ ”طلوع اسلام“ جس کا مشن ہی اسلامی مسلمات کا انکار اور ان کی دروازہ کار رکیک تاویلات ہے۔ آئے دن قرآن و حدیث کے خلاف عجیب عجیب شوشے چھوڑتا اور علمائے اسلام کے خلاف جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا رہتا ہے۔ علماء اس کو منہ اس لئے نہیں لگاتے کہ جہاں تک اس ٹولے کے نظریات کا تعلق ہے اس کی حد تک وہ مدلل تغلیط و تردید کر کے ان پر اتمام حجت کر چکے ہیں، اب وہ کہاں تک اس ٹولے کا تعاقب کریں جب کہ وہ بار بار انہی باتوں کی جگالی کر رہا ہے۔ جس کا وہ پوسٹ مارٹم متعدد مرتبہ کر چکے ہیں۔

جن مسلمات کا یہ ٹولہ انکار کرتا ہے، ان میں ایک زکوٰۃ بھی ہے جو اسلام کی ایک مسلمہ عبادت اور اس کے ارکان خمسہ میں سے ایک رکن ہے اور ستم یہ ہے کہ اس متواتر عبادت کا انکار بھی ”زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم“ کے خوشنما عنوان سے کیا گیا ہے حدیث کے ماخذ اسلام اور حجت شرعیہ تسلیم کرنے سے انکار کے پس پردہ اصل چیز اس ٹولے کے نزدیک ہے ہی یہ کہ اس کے بعد قرآن کے جس حکم، قانون اور ہدایت کو جو معنی بھی پہنا دیئے جائیں اور اس کی کیسی ہی دروازہ کار رکیک تاویل کر لی جائے، اس کی کچھ گنجائش نکل آئے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حسب ارشاد الہی ———

أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل)

سامنے رکھا جائے تو پھر من مانی کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ حدیث شریف کی رو سے تو ”صلوٰۃ“ نماز کا مفہوم بھی متعین ہے اور زکوٰۃ کی صورت بھی مقرر، جس کی پشت پر امت مسلمہ کا چودہ سو سالہ عملی توازن بھی موجود ہے۔ ان کا انکار کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ چنانچہ اس کے بعد اسلام کو مسخ کرنے کا رستہ ان کے لئے کھل گیا۔

اب پردہ بازی قرآنی مفہوم کی رو سے نہ نماز کا مطلب وہ ہے جس پر چودہ سو سال سے مسلمان عمل کرتے آرہے ہیں اور نہ زکوٰۃ کا وہ مطلب ہے جو مسلمان اتفاقِ مال کی ایک متعین صورت سمجھتے آئے ہیں۔ اسی طرح دیگر عقائد اسلامیہ اور مسلمات (جیسے جنت، دوزخ، ملائکہ اور معراج جسمانی وغیرہ) کا حال ہے۔ ان کے نزدیک ان کی وہ صورتیں غلط ہیں، جن پر مسلمان چودہ سو سال سے ایمان رکھتے اور ان پر عمل پیرا چلے آرہے ہیں اور نام ان سب خلاف عقائد اسلامیہ سرگرمیوں کا ”طلوع اسلام“ ہے۔ سبحان اللہ گویا ع۔ برعکس نہند نام دُغی کا نور والا معاملہ ہے۔ بہر حال بیان ہم یہ کر رہے تھے کہ ملا مئی (۱۹۷۹ء) کے طلوع اسلام میں زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ

”زکوٰۃ عربی زبان میں نشوونما کو کہتے ہیں لہذا ایتائے زکوٰۃ کے معنی ہوں گے سلمان نشوونما مسیا کرنا اور یہ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ افراد معاشرہ کی نشوونما کا سلمان فراہم کرے اور یہ سلمان نشوونما صرف روٹی، کپڑا، مکان، ہی کو شامل نہیں بلکہ اس میں وہ تمام اسباب و ذرائع شامل ہیں جن سے انسانی صلاحیتوں کی نشوونما (DEVELOPMENT) ہوتی ہے۔“

قرآن کی آیت

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَكْبَرُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ (الحج)

کا بھی مفہوم یہی ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ جب ان کی حکومت قائم ہوگی تو یہ لوگوں سے زکوٰۃ لیں گے۔ کہا یہ گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ دیں گے۔ (افراد معاشرہ کی نشوونما کا سلمان فراہم کریں گے) شخص

زکوٰۃ کا یہ خانہ ساز مفہوم جو چودہویں صدی کے غلام احمد صاحب پرویز کی ذہنی ایج کا شاہکار ہے، ظاہر ہے اس مفہوم سے قطعاً مختلف ہے جو قرآن کے شارح اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا اور امت کو سمجھایا، اس کی رو سے آپ نے اس کا نصاب، اس کی شرح اور اس کا وقت (ایک سال گزرنے کے بعد) بھی بتلایا۔ تمام صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین، فقہاء و محدثین نے اس کے مطابق عمل کیا اور اس وقت سے اب تک پوری

امت مسلمہ ایتائے زکوٰۃ پر عمل کر رہی ہے۔ اب جب یہ کہا جائے گا کہ زکوٰۃ کا تو یہ مطلب ہی نہیں ہے کہ مل جمع ہو، اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس میں سے ڈھائی فیصد سال نکال دو بلکہ قرآن نے تو اس کا مطلب کچھ اور نکالا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے ایک تو ان تمام احادیث کا انکار کرنا پڑے گا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کا نصاب اس کی شرح اس کا وقت اور دیگر تفصیلات بیان فرمائی ہیں دوسرے ذاتی ملکیت کی نفی کرنی پڑے گی کیونکہ طلوع اسلام مفہوم کی رو سے افراد معاشرہ کے ایک ایک چیز کی ذمہ دار حکومت ہے۔ خود کسی فرد کو فاضل دولت اپنے پاس رکھنے کی اجازت ہی نہیں ہے۔ تیسرے ملکیت زمین کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ملکیت زمین کی صورت میں عشر نکالنے کا مسئلہ پیدا ہوگا۔

چنانچہ ”طلوع اسلام“ کے اداریہ نویس نے پوری جرات سے اپنے مذکورہ اداریے میں ان تمام چیزوں کا انکار کیا ہے۔ احادیث کو رد کرنے کے لئے تو ان حضرات کو یہ آسان سا صدری نسخہ مل گیا ہے کہ جس حدیث کو نہ ماننا ہو بغیر کسی ادنیٰ تامل کے کہہ دیا جائے کہ یہ حدیث وضعی (من گھڑت) ہے۔ یہاں بھی یہی پیٹنٹ فار مولا استعمال کر کے ایسی تمام احادیث کو وضعی قرار دے دیا گیا ہے جن میں جمع شدہ مل پر زکوٰۃ نکالنے کا حکم ہے۔ بنا بریں ذاتی ملکیت اور زمین کی ملکیت کی نفی کے لئے قرآن کی متعدد آیات میں معنوی تحریف کی گئی ہے مثلاً

وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿١٠٠﴾ وَأَن سَعَاهُ سَوْفَ يَرَىٰ ﴿١٠١﴾ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿١٠٢﴾ (البقرہ)

ہر انسان کو وہی ملے گا جو اس کی سعی ہے اور اس کی سعی ضرور دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو بدلہ ملنا ہے اس کا پورا بدلہ۔ یہ آیت آخرت کے متعلق ہے کہ وہاں انسان کو وہی کچھ ملے گا جو اس نے کمایا ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ کسی کا بوجھ دوسرے پر ڈالا جائے۔ نیز ہر ایک کی سعی و کوشش اس کے سامنے رکھ دی جائے گی اور اس کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ طلوع اسلام نے آیت وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (الایات) کو معاشیات سے نتھی کر کے یہ اشتراکی نظریہ کشید کیا ہے کہ انسان صرف اسی کا حق دار ہے جس کے لئے وہ محنت کرے۔ یعنی اس نظام میں ہر فرد کاسب ہوگا محنت کش ہوگا کرم کرے گا۔ (مئی ۱۹۷۹ء صفحہ ۳) یہ وہی خالص کمیونسٹ اصول ہے جس کی رو سے کوئی شخص اپنی محنت کی کمائی

(EARNED INCOME) کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اگر اس آیت کا یہی مطلب ہو جیسا کہ ادارہ نویس نے لیا ہے۔ تو احادیث کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیجئے (کہ یہ اس کی جیت ہی کے منکر ہیں) خود قرآن کے کئی احکام سے یہ آیت ٹکرائے گی۔ جیسے وراثت کا حکم ہے جس کی تفصیلات قرآن میں بھی ہیں کہ ایک شخص کے ترکے میں سے بہت سے افراد حصہ پاتے ہیں اور وہ اپنے حصے کے جائز مالک قرار پاتے ہیں۔ حالانکہ یہ میراث ان کی اپنی محنت کی کمائی نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ ایک شیر خوار بچہ بھی میراث کے مال کا مالک قرار پاتا ہے جب کہ اس کی محنت کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح زکوٰۃ و صدقات کے احکام ہیں جن کی رو سے ایک آدمی کا مال دوسروں کو محض ان کے شرعی و اخلاقی استحقاق کی بنا پر ملتا ہے اور وہ بھی اس کے جائز مالک سمجھے جاتے ہیں (بلکہ کئی علماء زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تمیک کو شرط قرار دیتے ہیں) حالانکہ اس مال کے پیدا کرنے میں ان کی محنت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اس لئے آیت کا ایسا مفہوم جو قرآن ہی کے دیگر احکام اور قوانین سے ٹکرائے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ اور یوں ذاتی و زمینی ملکیت کی نفی کا اثبات خود قرآن کے متعدد احکام کی نفی کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے تو علماء کہتے ہیں کہ حدیث کا انکار قرآن کے انکار کو مستلزم ہے اور جیت حدیث کا منکر نولہ قرآن کا بھی منکر ہے۔ یہی حال دیگر آیات کا ہے جن سے دجل و تحریف کر کے ادارے میں کام لیا گیا ہے۔ سب کا جائزہ لیا جائے تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا۔ مذکور آیات کی وضاحت سے ہی ادارہ نگار کے مبلغ علم انداز استدلال اور قرآنی تحریف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مقصد اس کی اس ساری کوشش کا یہ ہے کہ نظام زکوٰۃ کے اس مفہوم سے انکار کر دیا جائے جس پر قرآن و حدیث کی روشنی میں آج تک مسلمان عامل چلے آ رہے ہیں اس لئے کہ اس مفہوم سے بہر حال ذاتی ملکیت ہی کا اثبات ہوتا ہے جسے اشتراکیت گوارا نہیں کرتی۔ اور منکر قرآن ہیں کہ قرآنی نظام رابوہیت کے عنوان سے اشتراکیت کو اسلامی معاشرے میں نافذ کرانے کے درپے ہیں۔ اس لئے ہمارے مجبور ہیں کہ احادیث صحیحہ کا انکار کیا جائے، تعامل و توازن امت کو نظر انداز کیا جائے۔ اس سے بھی کام بنتا نظر نہ آئے تو آیات میں معنوی تحریف کر کے مطلب برآوری کر لی جائے۔ اقبل مرحوم نے ایسے ہی ”مفکرین“ کے لئے مختلف موقعوں پر کہا تھا۔

ع: خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں کس درجہ ہوئے قیصران حرم بے توفیق
احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر تلویل سے قرآن کو بنا سکتے پاؤند
قرآن کو بانچہ اطفال بنا کر چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

دراصل پرویزی ٹولے کی تکنیک یہ ہے کہ جب بھی قرآن و حدیث پر مبنی فقہ اسلامی کے فقہ کی بات ملک میں آتی ہیں، اسی وقت مسلمانوں کے باہمی علمی اور عملی ذیلی اختلافات کو ہوا بنا کر ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیتے اور مغالطوں کا انبار لگادیتے ہیں اور سادہ لوحوں کو متاثر کرنے کے لئے ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کی (غلط یا صحیح) آڑ لیتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ مرحوم اپنی ساری خوبیوں کے باوجود قرآن فہمی کے لئے کوئی اتھارٹی ہیں نہ اسلام کے لئے۔ وہ خود بھی فہم اسلام کے لئے قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کے ماہر علماء کی طرف ہی رجوع فرماتے تھے۔

ہم پرویز بٹالوی اور ان کے ہم نواؤں کو یقین دلاتے ہیں کہ جمہور مسلمان ان کے افکار عالیہ کو انشاء اللہ کبھی ہضم نہ کر سکیں گے جیسا کہ ان کے ہم نام و ہم وطن غلام احمد قادیانی (متصل بائد) کے ”الہامات عالیہ“ کو اس کے ہزار جتنوں کے باوجود ہضم نہیں کپائے۔

”نور حدیث“ ہے کفر، کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پیٹ کا مسئلہ

واقعہ یہ ہے کہ اشتراکی کوچہ گردوں (جس میں طلوع اسلام بھی شامل ہے) کی کوشش کی ساری تن پیٹ پر آکر ٹوٹی ہے۔ جس طرح بھٹو نے روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ لگایا تھا اسی طرح ”طلوع اسلام“ کے نزدیک بھی سب سے زیادہ اہم مسئلہ معاش ہی کا ہے۔ زکوٰۃ کے مفہوم میں تبدیلی کے پیچھے کار فرما بھی دراصل اس کا یہی ذہن ہے۔

روزگار (معاش) کا مسئلہ بلاشبہ اپنی جگہ اہم ہے۔ اسلام اس سے ہرگز صرف نظر نہیں کرتا۔ تاہم اسلام میں اس کی وہ حیثیت بھی نہیں جو حیثیت آج کل اسے معلوم وجوہ کی بنا پر دے دی گئی ہے۔ ملوی و اشتراکی ذہن نے پیٹ کے مسئلہ کو ہی سب کچھ بتادیا ہے اور اسی بنیاد پر پورے نظام زندگی کا فقہ کرتا ہے۔ جب کہ اسلام کے نزدیک یہ مسائل حیات کا ایک جز ہے۔ کل مسئلہ حیات نہیں وہ اسے مجرد معاشی نقطہ نظر سے حل نہیں کرتا بلکہ وہ ایمان و اخلاق کے حوالے سے اس کی درنگی کا قائل ہے اس لئے اسلام کی نظر میں سرفہرست مسئلہ معاش نہیں، ایمان و اخلاق کی پختگی و درنگی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ افراد معاشرہ اگر ایمان سے بہرہ ور اور اخلاقی لوصاف سے متصف ہوں گے تو وہاں مسئلہ معاش از خود آسان اور فطری طریقے سے حل ہو جائے گا۔ اگر افراد معاشرہ ایمان و اخلاق سے بے بہرہ ہوں گے تو وہاں

کبھی بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز روٹی، کپڑا، مکان کے نعرہ سے نہیں کیا۔ حالانکہ امیر و غریب میں تفاوت اور معاشی ناہمواری اس دور میں بھی بدترین شکل میں موجود تھی۔ بلکہ آپؐ نے اپنی دعوت کا آغاز شرک کی واشگاف تردید اور توحید الوہیت کی تبلیغ سے کیا۔ عقیدے کی پختگی اور درستگی کے بعد آپؐ نے تزکیہ نفس اور تطہیر اخلاق پر زور دیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ عقیدہ و اخلاق کی درستگی نے پیٹ کے مسئلے کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا از خود اس کے حل کی راہیں نکل آئیں بنا بریں آج بھی ہمارے معاشرہ کا سب سے اہم مسئلہ روزگار کا مسئلہ نہیں، جس طرح کہ ”طلوع اسلام“ اور دیگر اشتراکی اور آج کل کے اکثر سیاسی لیڈروں کا خیال ہے۔ بلکہ اصل ضرورت ایمان و اخلاق کے درست کرنے کی ہے اور اسی پر معاش کی درستگی کا انحصار ہے۔ ایمان و اخلاق کی تصحیح کے بغیر مجرور معاشی اصلاح کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا (سوشلزم کے بلوا آدم ”سوویت یونین“ کی شکست و ریخت سے بھی یہ بات واضح ہو گئی ہے)

آیت ”قُلِ الْعَفْوَ“ سے غلط استدلال

مسئلہ شکم ہی کو سب کچھ سمجھنے والے سب قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ)

”لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ آپ انہیں کہہ دیں جو زائد از ضرورت ہے“

وَكَأَن كَسَّ لِلنَّاسِ إِلَّا مَا سَعَىٰ کی طرح اس آیت سے بھی چونکہ عام طور پر غلط استدلال کیا جاتا ہے ”طلوع اسلام“ نے بھی اپنے مخصوص نظریات کی تائید میں اسے پیش کیا ہے اس لئے اس کا وہ مفہوم سمجھ لینا چاہیے جو مفسرین امت نے سمجھا اور بیان کیا ہے۔

اس آیت کی تفسیر و تشریح میں مفسرین کے درمیان گو قدرے اختلاف ہے تاہم مال سب کا ایک ہے۔ دوسرے کسی مفسر نے اس آیت سے وہ مطلب اخذ نہیں کیا جو آج کل کے اشتراکی ذہن کے لوگ عام طور پر خام مطالعہ یا مخصوص مقاصد و نظریات کے تحت لیتے ہیں۔

اس آیت کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب کہ نصاب زکوٰۃ کی تعیین نہیں ہوئی تھی اس وقت یہ حکم دیا گیا تھا جو بعد میں نصاب زکوٰۃ کی تعیین کے

بعض کا خیال ہے کہ آیت مجمل ہے جس کی تفسیر و توضیح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاب زکوٰۃ بیان کر کے فرمادی اس طرح یہ آیت نہ منسوخ ہے نہ اس کا تعلق خارج از زکوٰۃ سے ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک سرے سے اس کا تعلق زکوٰۃ سے ہے ہی نہیں۔ صدقاتِ بالغہ سے اس کا تعلق ہے۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ زائد از ضرورت ہاں میں سے جتنا باہمی خرچ کر سکتا ہو۔ اسے انسانیت کی فلاح و بہبود پر صرف کرنے میں دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

ان میں سے جو مطلب بھی لیا جائے یہ بہر حال واضح ہے کہ اس سے وہ مفہوم کسی طرح بھی اخذ نہیں کیا جاسکتا جو آج کل اس سے کشید کر کے ذاتی ملکیت ہی کی نفی کے لئے اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں پوری امت کا تعامل بھی اس آیت سے وہ مفہوم اخذ کرنے میں مانع ہے جو ”ظلم اسلام“ سمیت اشتراکی ذہن کے لوگ کر رہے ہیں یا جیسے بعض حضرات نے شاعرانہ رنگ میں کیا ہے۔ علاوہ ازیں ضرورت کی تعین بھی کیوں کر ہوگی؟ ہر شخص کی ضرورت دوسرے شخص کی ضرورت سے مختلف ہے پھر زائد از ضرورت کا ایک متعین اور قلیل عمل مفہوم کیا ہوگا؟

شرح نصاب میں تبدیلی کا مسئلہ

آخر میں ”طلوع اسلام“ کے دوار یہ نویس نے بعض حضرات کے نامکمل اقتباسات پیش کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ یہ حضرات بھی جو نصاب زکوٰۃ کے قائل ہیں موجودہ حالات میں اس شرح زکوٰۃ پر مطمئن نہیں جو چودہ سو سال قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی اور وہ اس میں حالات کے مطابق تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ گویا وہ کہنا یہ چاہتا ہے کہ ہم تو زکوٰۃ کے اس مہموم کے پہلے ہی قائل نہیں ہیں جس پر چودہ سو سال سے امت مسلمہ عمل کرتی آ رہی ہے (جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے) تاہم جو حضرات اصلاحیہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنا پر زکوٰۃ اور اس کے نصاب کے قائل ہیں وہ بھی اب اس میں تبدیلی چاہتے ہیں۔

حالات کہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ امت مسلمہ اس امر پر متفق ہے کہ منصوص احکام میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں اور قرآن ہی کی طرح احادیث صحیحہ بھی اجماعاً "جنت شریعہ" ہیں۔ بنا بریں قرآنی احکام کی طرح وہ احکام بھی غیر متبدل ہیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت

ہیں۔ زکوٰۃ کا وجود نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس کا نصاب اور دیگر تفصیلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے۔ لہذا کسی مسلمان کے لئے نہ زکوٰۃ کا انکار ممکن ہے نہ اس کے نصاب سے تغافل و اعراض کی کوئی گنجائش۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ چودہ سو سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔ کیا چودہ سو سال کے اس طویل عرصے میں انقلابات نہیں آئے؟ حالات و ظروف میں تبدیلیاں نہیں ہوئیں؟ اور نت نئے تقاضوں نے سر نہیں اٹھارا؟ اگر منصوص احکام میں تبدیلی کی ذرا بھی گنجائش ہوتی تو کیا آج تک اسلام کا ہر حکم بدل نہ چکا ہوتا؟ یا اب اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو کیا پورے اسلام کا تیا پانچہ ہو کر نہیں رہ جائے گا؟ اسلام اپنی اصل حالت میں اب تک موجود صرف اسی لئے ہے کہ ایک طرف اس کے منصوص احکام غیر متبدل ہیں۔ دوسری طرف اس میں اتنی جامعیت ہے کہ منصوص احکام میں تبدیلی کئے بغیر وہ ہر دور کے تقاضوں سے عمدہ برا ہو سکتا ہے۔ نصوص قرآن و حدیث کی یہی وہ ہمہ گیر وسعت ہے جو اس کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے احکام میں تشکیک پیدا کرنے والے اس میں قطع و برید کا مشورہ دینے والے اسلام کے خیر خواہ نہیں اس کے دشمن ہیں۔ وہ اس کے روئے آب دار کو مسخ کرنا چاہتے ہیں اور اس کی جامعیت و ہمہ گیریت کو ختم کر کے درحقیقت اس کو اپنے نفسانی تقاضوں کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔

زکوٰۃ شرعاً عبادت ہے، ٹیکس نہیں

دراصل ایسے لوگ جو زکوٰۃ کی شرعی حیثیت میں غلط فہمی یا مغالطے کا شکار ہیں وہ زکوٰۃ کو ایک قسم کا ٹیکس سمجھتے ہیں جس میں حکومت وقت کو اپنی ضروریات اور حالات و ظروف کے مطابق کمی بیشی کا حق ہوتا ہے۔ (طلوع اسلام کے اداریہ نویس نے بھی زکوٰۃ کا خود ساختہ مفہوم اس کو ٹیکس سمجھتے ہوئے ہی بیان کیا ہے) حالانکہ زکوٰۃ ٹیکس نہیں عبادت ہے۔ بنا بریں اس مسئلے کو سمجھنے کے لئے زکوٰۃ کی تعبدی شان کا سمجھنا بڑا ضروری ہے۔ چند امور پر غور کرنے سے زکوٰۃ کی تعبدی حیثیت واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ مختصراً وہ امور درج ذیل ہیں۔

○ جن پانچ ارکان پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ہنی الاسلام علی خمس ان میں کلمہ توحید کے بعد حج، نماز، روزہ اور زکوٰۃ ہے اور ان چاروں ارکان کی شرعی حیثیت عبادت کی ہے ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاسکتی۔

○ قرآن میں بیشتر مقالات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے قرآن بار بار اَقِمْوُ الصَّلٰوۃ

کے ساتھ وَأَتُوا الزَّكَاةَ کی بھی تلقین کرتا جس سے صاف واضح ہے کہ اس کی نظر میں زکوٰۃ بھی اسی طرح عبادت ہے جس طرح نماز۔

○ خلافت صدیقی میں صحابہ کرامؓ کا سب سے پہلا اجتماع منکرین زکوٰۃ کے ارتداد اور واجب القتل ہونے پر ہوا۔ اور ان سے کافروں کی طرح جنگ کی گئی ان کے مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔ اگر زکوٰۃ کی حیثیت ٹیکس کی ہوتی تو ٹیکس کے انکار سے کوئی مسلمان کافر اور واجب القتل نہیں ہوتا۔ دراصل حایکہ صحابہ کرامؓ نے ان مانعین زکوٰۃ کو بالاجماع مرتد قرار دیا اور ان سے جنگ کی۔

○ زکوٰۃ صرف مسلمانوں پر فرض ہے اسلامی قلمرو میں بسنے والے کافروں پر نہیں حالانکہ اگر یہ ٹیکس ہوتا تو بلا تفریق مسلم و کافر اسلامی قلمرو میں بسنے والے ہر شخص پر یہ عائد ہوتا۔ نہ کہ صرف مسلمانوں پر اس سے واضح ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے جس کا مکلف ہی مسلمان ہے۔ ○ قرآن نے زکوٰۃ کی وہ مدت بھی بیان کر دی ہیں جہاں زکوٰۃ صرف کی جائے اور وہ آٹھ مصارف ہیں ان کے علاوہ کسی جگہ زکوٰۃ خرچ نہیں کی جاسکتی۔ اور کسی حکومت کو بھی حتیٰ کہ نبی اکرمؐ کو بھی اس میں تبدیلی کا مجاز تسلیم نہیں کیا گیا۔ حالانکہ یہ ٹیکس ہوتا تو اس کے مصارف متعین نہ ہوتے ہر حکومت کو حق حاصل ہوتا کہ وہ اپنی صوابدید اور ضروریات کے مطابق جس طرح چاہے خرچ کرے جس طرح عموماً ٹیکسوں میں ہوتا ہے۔

○ علاوہ ازیں زکوٰۃ کے لئے جو شرعی الفاظ مستعمل ہیں وہ بجائے خود اس کی عبادتی شان کے مظہر ہیں۔ زکوٰۃ تزکیہ سے ماخوذ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ زکوٰۃ۔ زکوٰۃ لہا کرنے والے کے جان و مال کا تطہیر کا سبب ہے۔ جس طرح کہ احادیث میں اس کی وضاحت آتی ہے اس کے لئے دوسرا لفظ صدقہ ہے جو بکثرت زکوٰۃ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

حَذِّمْنَ أَمْوَالَهُمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ: ۱۰۳)

اے نبیؐ آپ ان کے مالوں سے صدقہ (زکوٰۃ) لے کر ان کے مالوں کو اور ان کے نفوس کا تزکیہ کریں۔ ظاہر ہے کہ صدقہ اسی کو کہتے ہیں جو محض اللہ کے لئے اجر و ثواب کی نیت سے ادا کیا جائے۔ اور یہ اجر و ثواب کی نیت ہی اس کے عبادت ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے۔ ٹیکس کو نہ کسی نے کبھی صدقے سے تعبیر کیا ہے نہ اس کی ادائیگی میں اجر و ثواب کی نیت ہی ہوتی ہے۔ پھر یہ بات بھی نہیں کہ ٹیکس کے لئے عربی زبان میں کوئی لفظ نہ آتا ہو اور الفاظ کی تنگ دامانی کی وجہ سے ٹیکس کو زکوٰۃ سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔ بلکہ ٹیکس کے لئے عربی میں عام طور پر ”ضریبہ“ (جمع ضرائب) بولا جاتا ہے۔ اس سے اجتناب ہی اس بات کی

حدیث سے انحراف

دلیل ہے کہ ٹیکس (ضریبہ) اور ہے اور زکوٰۃ اور ہے بہر حال مذکورہ امور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ اسی طرح ایک عبادت ہے جس طرح روزہ، حج، نماز اور دیگر عبادات ہیں اور جس طرح عبادات کی ہیئت (کیفیت و کیت) میں تبدیلی کا کوئی مجاز نہیں اسی طرح شرح زکوٰۃ میں بھی کسی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ پھر ان سب سے بڑھ کر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ چودہ سو سال سے امت مسلمہ زکوٰۃ ادا کرتی رہی ہے۔ بڑے بڑے انقلاب آئے، حالات و ظروف بدلے، لیکن تغیر حالات سے کسی نے یہ استدلال نہیں کیا کہ زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کر دی جائے۔ حالات صرف آج ہی نہیں بدلے یہ تو بدلتے ہی آئے ہیں۔

مثبت اک تغیر کو ہے زمانے میں

لیکن ان کے ساتھ ساتھ اگر اسلامی احکام کے بھی بدلنے کی اجازت ہوتی، جس طرح کہ آج کل کے متجددین کی سعی اور خواہش ہے تو مذہب اسلام میں وہ تبدیلیاں کبھی رونما ہو چکی ہوتیں جن کے لئے آج یہ متفکرین و متجددین بیچ و تاب کھا رہے ہیں

يُرِيدُونَ لِيطِيفُوا نُورَ اللَّهِ بِأَنْوَارِهِمْ وَاللَّهُ مَتِّمٌ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ